۱

حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریۂ اجتہاد

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

ایک معمولی سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں اور قرآن آخری کتاب الٰہی ہے تو پھر زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت کے جو نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے ان کا حل کس طرح ہوگا۔ جس طرح یہ سوال سادہ ہے اسی طرح اس کا جواب بھی سادہ اور بے تکلف ہے اور وہ یہ کہ اجتہاد کے ذریعے۔

حضرت شاہ ولی اللہ جنھوں نے شریعت کے ایک ایک جز اور اس کے ایک ایک مرخفی وجلی کا جائزہ کمال ژرف نگاہی و روشن دماغی سے لیا ہے۔ وہ شریعت اسلام کے اس پہلو سے پہلو تہی کس طرح کر سکتے [illegible] ان پر یہ حقیقت مخفی نہیں [illegible] قرآن مجید کی آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" کے مطابق دین جو اصول اور کلیات کا مجموعہ ہے اس کو مکمل اور کامل قرار دیا گیا ہے لیکن شریعت جو قوانین وضوابط (Laws and bye-laws) کا مجموعہ ہے اس کو کامل نہیں فرمایا گیا۔ چونکہ زمانہ برابر رواں دواں ہے، انسانی تہذیب و تمدن ترقی پذیر ہے اس بنا پر جدید معاملات و مسائل کے لیے قرآن و سنّت، تعامل صحابہ اجماع امّت، اور فقہی نظائر و شواہد کی روشنی میں استنباط و استخراج احکام کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اور اسی طرح شریعت کے ذخیرے میں نشوونما اور اضافہ ہوتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے اجتہاد اور اس کے متعلقہ مسائل سے متعلق اس سلسلے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ ان کے استقصا و استیعاب کے لیے ایک [illegible] چند اہم اور بنیادی امور کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

الولی حیدرآباد

اجتہاد کی تعریف :

اجتہاد کی تعریف کیا ہے۔ شاہ صاحب "عقد الجید" میں لکھتے ہیں۔ اجتہاد کی جو تعریف جو کلام علماء سے سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ شریعت کے احکام کے جو تفصیلی دلائل ہیں اور جن کے کلیات کے مراجع و مآخذ چار چیزیں ہیں یعنی الکتاب، السنۃ، اجماع اور قیاس۔ ان سے استنباط کرکے احکام وضع کرنا۔

شاہ صاحب نے اجتہاد کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک اجتہاد مستقل اور دوسرا اجتہاد منتسب انھیں دو قسموں کو انھوں نے بعض جگہ اجتہاد مطلق اور مقید کے لفظوں سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اجتہاد مستقل کی تعریف "الانصاف فی سبیل الاختلاف"، "المصفیٰ فی شرح الموطا" اور "عقد الجید" میں شاہ صاحب نے یہ کی ہے کہ وہ ایسا اجتہاد ہے جیساکہ امام شافعی کا تھا۔ یعنی امام شافعی کی رسائی احکام شرعیہ کے مآخذ تک براہ راست تھی اور تابعین اور تبع تابعین کے عہد کے قرب کے باعث [illegible] آثار [illegible] اور قوت وضعف کو جانچنے اور پرکھنے کے مواقع ان کو بسہولت حاصل تھے پھر انھوں نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں وہ اصول وضوابط بیان کیے جن میں اصول وکلیات سے جزئیات کا استنباط واستخراج ممکن ہے۔ پھر انھوں نے "کتاب الام" میں انھیں اصول پر احکام کی تخریج کرکے اپنا فقہ مدون کیا۔ امام شافعی اس راہ میں کسی کے مقلد نہیں تھے، بلکہ مجتہد مطلق تھے شاہ صاحب نے اگرچہ نام صرف امام [illegible] کا لیا ہے لیکن باقی ائمہ ثلاثہ کو بھی ان پر قیاس کیا جاسکتا ہے شاہ صاحب کے نزدیک [illegible] مجتہدین مستقلین یا مجتہدین مطلقین تھے اور شاہ صاحب کے نزدیک اس اجتہاد مستقل [illegible] کا انقطاع ہو گیا۔ اب آئندہ جو کوئی بھی مجتہد ہوگا اسے [illegible] ادلہ سے [illegible] استدلال کرنا ہوگا اور ان کے جمع کیے ہوئے سرمایہ احکام و [illegible] پر اسی طرح اجتہاد کرنا ہوگا جیساکہ متاخرین زمانہ کے بڑے سے بڑے محقق اور مجتہد کو من حیث [illegible] کے سرمایۂ علم پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ اجتہاد کی دوسری قسم ہے اور اس کا نام اجتہاد مقید یا اجتہاد منتسب ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک اس [illegible] یہ ہے کہ وہ [illegible] صرف یہ کہ [illegible] باقی [illegible] باقی ہے [illegible] کا [illegible] ہی [illegible]۔

چنانچہ تفہیمات الٰہیہ (جلد ۲ ص ۲۴۵) میں فرماتے ہیں کہ "امت کے لیے یہ کبھی یہ وقت نہیں آئے گا کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اجتہاد کی ضرورت نہ ہو" شاہ صاحب نے اسی بات کو "المصفی فی شرح الموطا (ج ۱ ص ۱۱) میں زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے "کہ چونکہ مسائل لامحدود ہیں اور جب تک کہ دنیا ہے یہ پیدا بھی ہوتے رہیں گے اور کتب فقہ میں جو کچھ درج ہے وہ ناکافی ہے۔ اس بناپر ہر زمانے میں مجتہدین کا ہونا ضروری اور اجتہاد فرض ہے البتہ چونکہ اب کوئی مجتہد ائمہ مجتہدین کی کوششوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اس بناپر یہ اجتہاد اجتہاد مستقل نہیں ہوگا جیساکہ امام شافعی کا اجتہاد تھا۔

کیا اجتہاد مطلق ماورائے تنقید ہے؟

شاہ صاحب نے یہ بجا فرمایا ہے کہ جس طرح ہر بیرسٹر اور ہر قانون داں سابقہ نظائر و شواہد سے مستغنی نہیں ہو سکتا اسی طرح کوئی مجتہد ائمہ اجتہادات اور ان کے فیصلوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور اسی بناپر اجتہاد مطلق اب ناپید ہے لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں۔

(۱) حضرت شاہ صاحب کی رائے ہرگز نہیں ہے کہ ائمہ اربعہ سے کتب فقہ میں جو کچھ منقول ہے اس پر تنقید کرنا یا اس سے انحراف یا اختلاف کرنا جائز نہیں ہے ائمہ کے خود باہمی اختلافات اور ان کے تلامذہ کا ان سے اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ہمارے پاس قرآن وسنت سے دلائل قویہ ہوں تو ہم بھی ائمہ کی رائے سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ (ج ۱ ص ۲۱۱-۲۱۲) میں فرماتے ہیں ملاء اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا، اور وہ یہ کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے پیرو امت مرحومہ میں اور ان کی تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ ملاء اعلیٰ کے علوم کے منشا کے مطابق حق یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب تصور کیا جائے پھر ان دونوں کو حدیث کی مدونہ کتب میں تلاش کیا جائے پس اگر یہ دونوں مذہب اس کے مطابق ٹھہریں تو انھیں قبول کر لیا جائے اور اگر ان کی اصل کا پتہ نہ چلے تو انھیں چھوڑ دیا جائے"۔

(۲) اگر چہ شاہ صاحب چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد مطلق کے دروازے کو مسدود مانتے ہیں لیکن خود شاہ صاحب نے "الانصاف" (ص ۶۶) میں لکھا ہے کہ "ایک سے زیادہ

ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی امام الحرمین اور امام غزالی اجتہاد مطلق کے مرتبے کو پہنچے ہوئے تھے" علاوہ ازیں علامہ بحر العلوم "مسلم الثبوت" کی شرح میں لکھتے ہیں۔

" اجتہاد مطلق کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہوگیا۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک امت پر ان اماموں کی تقلید واجب ہے لیکن یہ سب من مانی باتیں ہیں۔ اور ان حضرات کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس بنا پر ان باتوں کی پروا نہ کی جائے۔

بظاہر شاہ صاحب اور مولانا بحر العلوم اور ان کے ہم خیال علماء کے نظریات میں تعارض نظر آتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ نزاع لفظی سے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ شاہ صاحب جب اجتہاد مطلق کا لفظ بولتے ہیں تو ان کے ذہن میں امام شافعی کے اجتہاد کا تصور ہوتا ہے اور امام شافعی کے اجتہاد کی خصوصیات کیا ہیں۔ اس کے بارے میں شاہ صاحب "المصفیٰ" (ص۱) میں فرماتے ہیں۔

"کہ تبع تابعین جن میں متعدد حضرات اصحاب مذاہب تھے ان میں سے امام شافعی نے براہ راست استفادہ حاصل کیا تھا۔ پھر راویوں کے جرح و تعدیل اور لغت عربی وغیرہ کی معرفت میں وہ کسی شخص کے واسطے اور مدد کے محتاج نہیں تھے۔ بلکہ وہ یہ کام خود اور براہِ راست کر سکتے تھے۔ اس طرح روایت مجتہدانہ میں وہ کسی کے ارشاد کے محتاج نہیں۔ بلکہ اس کے بانی تھے" اس بناء پر ظاہر ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کوئی شخص بھی اجتہاد کرے گا۔ اس کو یہ مواقع حاصل نہ ہوں گے یعنی اس کا علم مآخذ و مصادر اجتہاد بلا واسطہ نہیں ہوگا۔ بلکہ بالواسطہ ہوگا۔ اور راویوں کی جرح و تعدیل، روایت کے متن کی کمی بیشی اور اس میں ادل بدل کے علم کے لیے وہ متقدمین کی مدد اور ان کی فراہم کردہ معلومات کا محتاج ہوگا۔

شاہ صاحب نے امام شافعی کے اجتہاد کی جو خصوصیات بیان کی ہیں اور جو بے شبہ باقی آئمہ ثلاثہ کے اجتہادات پر بھی صادق آتی ہیں۔ وہ ایسی صاف اور واضح ہیں کہ مولانا بحر العلوم اور ان کے ہم خیال دوسرے علماء بھی ان کے منکر نہیں ہو سکتے۔ اس بناء پر جب شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اب اجتہاد مطلق نہیں ہو سکتا۔ اور اجتہاد مطلق سے ان کی مراد امام شافعی

اور دوسرے ائمہ کا اجتہاد ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس پر شاہ صاحب اور مولانا بحرالعلوم کا دونوں کا اتفاق ہے ساتھ ہی اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ مولانا بحرالعلوم جس اجتہاد کو اجتہاد مطلق کہتے اور اس کے وقوع کے قائل ہیں یہ دراصل وہی اجتہاد ہے جس کو حضرت شاہ صاحب اجتہاد منتسب کے نام سے پکارتے ہیں۔

ہم نے نزاع لفظی کی جو بات کی ہے وہ محض ہمارے ذہن کی ایجاد و اختراع نہیں ہے بلکہ خود شاہ صاحب کی اس عبارت سے اس کا قرینہ ملتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی ابن الصباح اور امام غزالی کی نسبت کسی نے کہا کہ وہ اجتہاد مطلق کے مرتبہ کو پہنچے ہوئے تھے ابن العلام نے کہا کہ وہ مجتہد فی المذہب تھے۔ شاہ صاحب "الانصاف" میں ان اقوال میں تطبیق کرتے ہیں کہ ان علماء کی مراد یہ ہے کہ ان حضرات کو اجتہاد منتسب کا مقام حاصل تھا جیسا کہ ابن الصلاح نے اپنی کتاب "آداب الفتیا" میں اور نووی نے شرح المذہب میں ثابت کیا ہے

اجتہاد منتسب کا حکم

شاہ صاحب کے نزدیک اس اجتہاد کا حکم یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے ہمیشہ باقی رہے گا کسی زمانے میں بھی اسے ترک نہیں کیا جا سکتا اور کسی زمانے میں اگر اسے ترک کیا گیا تو سب اہل زمانہ گنہگار ہوں گے (الانصاف ص ۴۷ حضرت شاہ صاحب یہی بات "مصفی" (ص ۱۱) میں زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثرت سے پیش آنے والے ہیں۔ اور وہ لامحدود ہیں اور ان کے بارے میں احکام الٰہی کا جاننا واجب کیونکہ کتب فقہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اور مدون ہے وہ ناکافی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں اختلافات بہت زیادہ ہیں جن کا حل بجز اس کے کسی اور طرح نہیں ہو سکتا کہ جو احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں ان کو ان کی دلیلوں کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جائے اور چونکہ ان دلیلوں کے جانچنے کے طریقے مجتہدین پر پہنچ کر منقطع ہو گئے ہیں اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان دلیلوں کو قواعد اجتہاد پر پرکھا جائے۔

اجتہاد کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ اجتہاد کا طریقہ اور اس کا منہج کیا ہے۔ شاہ صاحب (ص ۱۸) میں اور محدث اور مجتہد کے مناصب کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجتہد کا منصب یہ ہے کہ اگر لفظ مشترک ہے تو اس کے معنی کی تعیین و تحدید کرے اور یہ دیکھے کہ رکن، شرط اور ادب یعنی حکم کی نوعیت کیا ہے وہ فرض ہے یا واجب یا مستحب، مشروط ہے یا غیر مشروط مناط حکم کیا چیز ہے، مطلق یا مقید، عام ہے یا خاص، اس کی علت کیا ہے نص میں جو قیدیں ہیں وہ اتفاقی ہیں یا احترازی۔ ان سب کی تحقیق اور تعیین کرنے کے بعد اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ منصوص سے غیر منصوص کی طرف منتقل ہوگا ورنہ نہیں پھر دلالت کی قسمیں کئی ہیں۔ دلالت مطابقی دلالت تضمینی اور دلالت التزامی تو اسے یہ بھی متعین کرنا چاہیئے کہ یہاں نص کی دلالت حکم پر کس قسم کی ہے اور اگر دلیلیں کئی ہوں اور وہ متعارض ہو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان میں تطبیق ہوسکتی ہے یا نہیں اگر نہیں تو پھر کسی ایک کو ترجیح دینا ہوگا اور اس کے لیے وجوہ ترجیح کو تلاش کرنا ہوگا ان اصولوں کو بیان کرنے کے بعد مثالوں کے ذریعے شاہ صاحب نے ہر ایک اصل کی تشریح و توضیح کی ہے جس کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مجتہد کے اوصاف

ایک مجتہد کو کن کن علوم و فنون سے آراستہ ہونا چاہیے اور اس کی بالغ نظری اور ورع و تقوی کا کیا عالم ہونا چاہیے اس سلسلے میں شاہ صاحب نے وہی لکھا ہے جو دوسرے حضرات لکھتے ہیں۔ اور اس کا اندازہ اجتہاد کے اس منہج سے بھی ہوسکتا ہے جو ابھی مذکور ہوا۔ لیکن اس سلسلے میں شاہ صاحب کی ممتاز اور نمایاں خصوصیت و انفرادیت یہ ہے کہ آپ "حجۃ اللہ البالغہ" میں تمام اسلامی عبادات، معاملات، سیاسیات اور سماجیات و اقتصادیات پر نہایت جامع اور بصیرت افروز بحث کرکے جگہ جگہ ان

امور کی نشاندہی کر دی جو موجودہ زمانے میں اجتہاد کی واضح بنیاد بن سکتی ہے۔

یہ توضیحات وتنقیحات حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ صفحہ پر پھیلی ہوئی ہیں ہم ان میں سے صرف چند اہم چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) شاہ صاحب نے ہر حکم کے اسرار و رموز اور اس کے اسباب وعلل پر اس قدر زور دیا ہے کہ اسلام ایک مذہب عقل ومنطق ہو گیا اور اس پر جدید مسائل میں اجتہاد کرکے ان کا حکم معلوم کر لینے کا راستہ بہت سہل ہو گیا ہے مثلاً کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ کوئی عورت سفر حج تنہا نہیں کر سکتی اس کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے۔ اب اگر شاہ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جیساکہ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس لیے تھا کہ اس زمانے میں راستے خطرناک تھے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ اب چونکہ راستے خطرناک نہیں ہیں اس بنا پر ایک عورت کا بغیر محرم کے سفر حج کرنا جائز ہے۔

(۲) شاہ صاحب نے تشریح کے وجوہ وعناصر پر جو کلام کیا ہے وہ تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت کی منفرد شے ہے ان کے نزدیک شریعت کے قانون سازی میں حسب ذیل امور کی رعایت ضروری ہے۔

(الف) قومی عادات وخصائل، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہر قوم کے الگ الگ عادات وخصائل ہوتے ہیں جن سے وہ مانوس ہوتے ہیں۔ اس بنا پر تشریح کے باب میں ان کی رعایت کرنا ضروری ہے تاکہ یہ لوگ آئین نو سے متوحش نہ ہوں، شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ (جلد ا ص ۹۴) میں فرماتے ہیں۔

> پس اس سے بہتر اور آسان تر کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ شعائر حدود اور مصالح عامہ کے باب میں اس قوم کی عادات کا اعتبار کیا جائے جس میں پیغمبر کی بعثت ہوئی ہے۔ نیز بعد میں آنے والی نسلوں پر ان امور کے بارے میں زیادہ سختی نہ کی جائے جس میں پیغمبر کی بعثت ہوئی ہے۔ نیز بعد میں آنے والی نسلوں پر ان امور کے بارے میں زیادہ سختی نہ کی جائے اور ان کو فی الجملہ ہی ان پر باقی رکھا جائے کیونکہ پہلے لوگ تو اپنے دلوں کی

شہادت اور اپنی عادات کے باعث ان احکام کو قبول کریں گے مگر بعد میں آنے والی نسلیں تو ان چیزوں کو ملت کے اماموں اور خلفاء کی سیرتوں کی روشنی میں قبول کریں گی آج بھی اور ہر زمانے میں ہر قوم کا یہی خاصۂ طبعی رہا ہے۔

غور کیجیے شاہ صاحب نے کس درجہ حقیقت افروز بات کہی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ حد سرقہ اور حد زنا جو قرآن میں مذکور ہیں ان کا رواج اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں نظر آتا ہے لیکن خلافت عباسیہ اور اس کے معاصر یا اس کے بعد کے ادوار میں نظر نہیں آتا اور ان سزاؤں کے بالمقابل قید وبند یا قتل و جلاوطنی کی سزائیں دکھاتی دیتی ہیں پھر کہیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ علماء کے کسی طبقہ نے قرآنی حدود کے الغاء پر احتجاج کیا ہو۔ اس صورت حال کی تاویل حضرت شاہ صاحب کے نقطہ نظر سے یہی ہو سکتی ہے کہ عرب حد سرقہ اور حد زنا سے مانوس تھے اور ان کے یہاں یہ سزائیں عہد جاہلیت میں رائج تھیں جیساکہ ڈاکٹر جواد علی نے تاریخ العرب قبل الاسلام (جلد ۵ ص ۲۷۳) میں اپنا خیال حد زنا کے متعلق ظاہر کیا ہے۔ اس بناء پر اسلام نے ان سزاؤں کو باقی رکھا لیکن چونکہ عجمی تو ان سے مانوس نہیں تھیں اس لیے ان کا جب اثر واقتدار بڑھا تو ان کے اجرا میں شاہ صاحب کے بقول اس اس معاملہ میں سختی برتی گئی اور ان کے بجائے دوسری قسم کی سزائیں اختیار کر لی گئیں۔ جیساکہ سعودی حکومت کو مستثنیٰ کر کے اسلامی مملکتوں میں اب بھی ہو رہا ہے۔

(ب) دوسری اہم بحث تشریح کے سلسلے میں شاہ صاحب نے یہ کی ہے کہ جب کبھی کوئی پیغمبر مبعوث ہوا اس نے اپنی کوئی الگ شریعت لوگوں پر تھوپی نہیں بلکہ اس نے دیدہ وری سے قوم کے رسم و رواج ان کے طور طریق زندگی ان کے تہذیبی اور تمدنی حالات کا جائزہ لیا پھر ان میں قانون الٰہی کے مطابق جو چیزیں خیر محض تھیں ان کو علی حالہا قائم رکھا پھر ان میں قانون الٰہی کے مطابق جو چیزیں خیر محض تھیں ان کو علی حالہا قائم رکھا جو چیزیں شر محض تھیں ان کو بالکل رد کر دیا اور جن چیزوں میں خیر و شر دونوں کا اجتماع اور امتزاج تھا ان میں حد و قدر کر کے ایسا بنا دیا کہ خیر غالب ہو گیا۔ اور شر مغلوب چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنی شریعتیں تھیں ان کی تشکیل اسی نہج پر ہوئی

تھی اور خود شریعت محمدی کی تعمیر اسی اصول پر ہوئی۔ شاہ صاحب کا یہ بیان ہم کو یہ سبق دیتا ہے کہ دنیا کی ہر نئی کو دیکھ کر ہمیں متوحش نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا خوب اچھی طرح مطالعہ کرکے اور اس کا تحلیل و تجزیہ کرکے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

(ج) تیسری اور اہم بحث جو حضرت شاہ صاحب نے کی ہے وہ ارتفاقات اربعہ کی ہے اس ذیل میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی اخلاقی، دینی، سیاسی، تمدنی اقتصادی اور معاشرتی جذبہ احساس اور عمل ایسا نہیں ہے جو زیر بحث نہ آیا ہو۔ ایک مجتہد کے لیے اس کا علم بہت ضروری ہے اس کے بغیر وہ شریعت اور احکام الٰہی کی رسم اور ان کے اسرار سے واقف نہیں ہوسکتا غالباً شاہ صاحب علمائے مجتہدین میں پہلے مفکر ہیں جن کے ہاں اقتصادی عوامل اور معاشی محرکات عمل اہم اہمیت سے کارفرما نظر آتے ہیں۔

غرضیکہ شاہ صاحب نے مذہب، فلسفہ، تصوف، علم کائنات، فلسفہ اخلاق، انسانی نفسیات اور روحانی لطائف و کیفیات کو منطقی طریقہ استدلال کے ذریعے اس طرح باہم دگر خلط ملط کر دیا ہے کہ یہ سب ایک ہی کل کے اجزاء اور عناصر نظر آتے ہیں۔ بے شک ان کا یہ کارنامہ اس قدر عظیم ہے کہ اس میدان میں ان کی شخصیت بے مثال و منفرد ہے یہ سب چیزیں ایک مجتہد کی پرواز کے لیے ایک وسیع فضا مہیا کرتی ہیں مولانا عبید اللہ سندھی صحیح فرماتے تھے کہ شاہ ولی اللہ اور کارل مارکس دونوں اپنے اپنے عہد کے عظیم مفکر تھے اور اپنے فکر کی اساس پر ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ایک نے حجۃ اللہ البالغہ لکھی اور دوسرے نے (DAS- CAPITAL) مرتب کی لیکن کارل مارکس کو حکومت مل گئی تو اس کے (DAS CAPITAL) نے ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا اور شاہ ولی اللہ کو بدقسمتی سے کوئی حکومت نہ مل سکی۔ اس بنا پر حجۃ اللہ البالغہ ایک فلسفہ ہوکر رہ گئی بقول اکبر الہ آبادی

نہ ہو مذہب میں گر زور حکومت

تو وہ مذہب نہیں اک فلسفہ ہے